جان لینے کے لئے نہیں بلکہ جان دینے کے لئے قربانی کرو

(فرمودہ ۲۰/ مئی ۱۹۲۷ء)

تشہد تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

جس طرح دنیا میں باقی تمام چیزیں ایک جہت سے اچھی اور ایک جہت سے بری ہوتی ہیں اسی طرح قربانی بھی ایک جہت سے اچھی اور ایک جہت سے بری ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ دنیا کی کوئی ترقی' دنیا کی کوئی کامیابی' دنیا کا کوئی آرام' دنیا کا کوئی سکھ قربانی کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا۔ حضرت خلیفہ اول اپنے ایک استاد کا ذکر فرمایا کرتے تھے کہ ان کا قول تھا لوگ خدا کو بیٹھے بٹھائے حاصل کرنا چاہتے ہیں حالانکہ ایک نانبائی کو نہیں دیکھتے جسے ایک روٹی کے لئے تین دفعہ جہنم میں جانا پڑتا ہے۔ پہلے روٹی لگانے کے لئے۔ پھر اسے الٹانے کے لئے۔ پھر نکالنے کے لئے۔ اس طرح تین دفعہ جہنم میں ایک روٹی کے لئے اسے جانا پڑتا ہے۔ مگر خدا کے لئے کچھ بھی تکلیف اٹھانا پسند نہیں کرتے اور چاہتے ہیں یونہی خدا مل جائے۔ مگر وہ کون سی چیز ہے جو بغیر قربانی کے ملتی ہے۔ نسل انسانی کے قیام کے لئے خدا تعالیٰ کا فیصلہ ہے کہ بچے پیدا ہوں۔ اور اس وجہ سے خدا نے بچے ماں باپ کے لئے محبوب بنا دیئے ہیں۔ لیکن ذرا غور کرو بچے کے پیدا کرنے کے لئے کتنی قربانی کرنی پڑتی ہے۔ اس کے لئے باپ کو بھی قربانی کرنی پڑتی ہے۔ لیکن اس وقت میں اس کی تشریحات میں نہیں جانا چاہتا۔

ماں کی قربانی ظاہر ہی ہے۔ ماں کے لئے بچہ جننا موت کے مساوی ہے۔ ہر عورت جس نے کوئی بچہ جنا۔ جب اس کے بچہ جننے کے دن قریب آتے ہیں۔ تو وہ عورت کہتی ہے معلوم نہیں بچتی ہوں یا نہیں۔ اور فی الواقع وہ حالت ایسی خطرناک ہوتی ہے۔ اور تکلیف اتنی زیادہ ہوتی ہے۔ اور اس کی ہیبت اس طرح قلب پر طاری ہوتی ہے کہ کسی عورت کی زندگی کا یقین تو الگ رہا۔ خیال بھی نہیں کیا جا سکتا کہ زندہ رہے گی۔ واقعہ میں اس وقت موت کے دروازہ تک پہنچ کر عورت واپس آتی ہے۔

اور بہت سی نہیں بھی آتیں- بچہ پیدا ہو کر اس جہاں میں آتا ہے اور وہ اگلے جہان میں پہنچ جاتی ہیں- دنیا میں مسکین رہ جانے والے بچے جن کی مائیں بچپن میں فوت ہو جاتی ہیں ان کے متعلق اگر دریافت کرو تو ان کا اکثر حصہ ایسا ہو گا کہ پیدائش کے وقت مائیں اس تکلیف کو برداشت نہ کر کے مرگئیں- یا اس تکلیف کے اثرات ان کی صحت پر ایسے پڑے کہ بعد میں مرگئیں- غرض عورت اپنے اوپر موت قبول کر کے بچہ دنیا میں لاتی ہے- اور یہ اس کی بہت بڑی قربانی ہوتی ہے-

پھر دیکھو علم کے حصول کے لئے بچے کتنی موتیں قبول کرتے ہیں- ایک بچہ اپنی ان نازک طاقتوں کے ساتھ جو ذرا سے جھونکے سے کملا جاتی ہیں- راتوں کو بیٹھا محنت کرتا ہے تاکہ علم حاصل کرے- ماں باپ کی بھی بہت قربانیاں ہوتی ہیں مگر جو بچہ محنت کر رہا ہوتا ہے اس کی قربانی بہت بڑا درجہ رکھتی ہے- وجہ یہ کہ ماں باپ تو سمجھ کر اور فوائد کو مدنظر رکھ کر قربانی کرتے ہیں- مگر وہ آٹھ دس سال کا بچہ جو دوسرے بچوں کو کھیلتا کودتا دیکھتا ہے مگر وہ محنت کر رہا ہوتا ہے- بچپن کے لحاظ سے بیسیوں امنگیں اس کے دل میں پیدا ہوتی ہیں جن کو وہ دباتا ہے- اسی طرح وہ بھی بہت بڑی قربانی کر رہا ہوتا ہے بلکہ اپنے لئے موت قبول کر رہا ہوتا ہے- گو اس کا نتیجہ اور پھل وہی کھاتا ہے مگر اس وجہ سے اس کی قربانی کم شاندار نہیں ہو جاتی کیونکہ جب وہ قربانی کر رہا ہوتا ہے- اس وقت وہ اپنے لئے نہیں کرتا- بلکہ ماں باپ کے لئے کر رہا ہوتا ہے- ایک آٹھ نو سال کے بچہ کو یہ بات مدنظر نہیں ہو سکتی کہ اگر علم پڑھوں گا تو بڑا ہو کر اس سے فائدہ اٹھاؤں گا- بلکہ اس کے مدنظر صرف یہی بات ہوتی ہے- کہ اس وقت میری ماں یہ چاہتی ہے کہ میں علم پڑھوں- اور میرا باپ یہ چاہتا ہے کہ میں تعلیم حاصل کروں-

اس نیت اور اس ارادہ سے اس کی قربانی ایسی ہی شاندار ہو جاتی ہے جیسی وہ قربانی جو کسی دوسرے کے لئے کی جاتی ہے- بہرحال علم حاصل کرنے کے لئے قربانی کرنی پڑتی ہے- اور ہر چیز کے حاصل کرنے کے لئے قربانی ضروری ہے میں نے کئی دفعہ مثال دی ہے کہ بچے جھاڑیوں سے بیر کھاتے ہیں جنہیں کوئی روکتا نہیں- مگر جھاڑیوں کے ساتھ جو کانٹے لگے ہوتے ہیں ان کی تکلیف بیر کھانے والوں کو اٹھانی پڑتی ہے- غرض چھوٹے سے چھوٹے کام کے لئے بھی قربانی کی ضرورت ہے- اور جب ہر ایک چھوٹے سے چھوٹے کام کے لئے قربانی ضروری ہے- تو پھر کس طرح ممکن ہے کہ کوئی بڑا انعام بغیر قربانی کے حاصل ہو جائے-

بے شک قربانیوں سے بڑے بڑے نتائج نکلتے ہیں- مگر قربانی ہمیشہ اچھی نہیں ہوتی بلکہ قربانی

اچھی بھی ہوتی ہے اور بری بھی- محض جان کو خطرہ اور ہلاکت میں ڈالنا کافی نہیں ہوتا ایسے لوگ ہوتے ہیں جو اپنی جان کو خطرہ میں ڈالتے ہیں مگر بدترین انسان سمجھے جاتے ہیں- کیا ایک چور اپنی جان کو خطرہ میں نہیں ڈالتا یقیناً ڈالتا ہے- اسی طرح ایک قاتل بھی اپنے آپ کو خطرہ میں ڈالتا ہے- وہ جانتا ہے کہ جس کو میں قتل کرنے چلا ہوں- اس کے رشتہ داروں نے اگر دیکھ لیا تو مار دیں گے- یا اگر گورنمنٹ نے پکڑ لیا تو پھانسی دے دے گی- یہ اسے خطرہ ہوتا ہے- مگر باوجود اس کے ایسے لوگوں کے افعال کو نفرت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے- حالانکہ کئی چور اس نقطہ نگاہ کو اپنے سامنے رکھتے ہیں کہ ہم قربانی کرتے ہیں- اور وہ سمجھتے ہیں کہ اچھا کام کرتے ہیں- حضرت خلیفہ اول فرماتے تھے میں نے ایک چور کو نصیحت کی کہ یہ بہت برا کام ہے اسے چھوڑ دو- کہنے لگا آپ بھی محنت کرتے ہیں ہم بھی محنت کرتے ہیں- آپ کو کوئی خطرہ نہیں ہوتا- مگر ہم اپنے آپ کو خطرہ میں ڈال دیتے ہیں- جب ہماری محنت کے ساتھ خطرہ بھی لگا ہوا ہے- تو پھر آپ کی کمائی تو حلال ہو گئی- ہماری کمائی کیوں حلال نہیں- تو چور اپنے آپ کو خطرہ میں ڈالنے کی وجہ سے اپنی کمائی کو حلال قرار دیتے ہیں- اور شاید قاتل ان سے بھی بڑھ کر اپنے فعل کو اچھا سمجھتے ہوں- مگر کوئی سمجھدار ان کے افعال کو اچھا نہیں کہتا- ہر شخص اور ہر مذہب برا کہتا ہے- لیکن ان کے مقابلہ میں ایک ڈاکٹر بھی اپنی جان کو خطرہ میں ڈالتا ہے- طاعون کا مریض ہوتا ہے- ڈاکٹر اس کے پاس جاتا ہے- حالانکہ مریض کے عزیز اور رشتہ دار پاس نہیں آتے- ڈاکٹر جا کر گلٹی کو ٹٹولتا ہے- اس کا اپریشن کرتا ہے- اس پر دوائی لگاتا ہے- اسی طرح ہیضہ کے مریض کی قے دیکھتا ہے- اس کے قریب اپنا منہ اور ہاتھ لے جاتا ہے- سل والے کے بلغم کے رنگ اور قوام کو اچھی طرح دیکھتا ہے- اس کا سینہ دیکھتا ہے- اپنے منہ کو اس کے منہ کے پاس لے جاتا ہے جب اس کے حلق اور دانتوں کو دیکھتا ہے- اور اس طرح اپنی جان کو ہلاکت میں ڈالتا ہے- مگر اسے کوئی برا نہیں کہتا بلکہ سب اس کی تعریف کرتے ہیں-

اب دیکھو ایک قاتل نے بھی اپنے آپ کو خطرہ میں ڈالا اور ڈاکٹر نے بھی- پھر کیا وجہ ہے کہ ایک کو معزز سمجھا جاتا ہے اور ایک کو ذلیل- دنیا میں جتنی قربانی کی مثالیں مل سکتی ہیں- ان کو اگر دیکھا جائے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ اچھی اور بری قربانیوں میں ایک ہی فرق ہے- اور وہ یہ کہ بری قربانیاں وہ ہیں جن میں انسان اپنی جان کو اس لئے خطرہ میں ڈالتا ہے- کہ دوسرے کی جان لے- لیکن اچھی قربانیاں وہ ہیں- جن میں انسان اپنی جان کو اس لئے خطرہ میں ڈالتا ہے- کہ دوسروں کی جان زندہ رکھے- یعنی جو قربانی جان لینے کے لئے ہوتی ہے وہ بری ہوتی ہے- اور جو جان بچانے کے

لئے ہوتی ہے وہ اچھی ہوتی ہے۔ دیکھو ماں کی قربانی کو خدا تعالیٰ نے ایسا شاندار قرار دیا ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ جنت ماؤں کے قدموں کے نیچے ہے[1] کیوں اس لئے کہ ہر ماں اتنی بڑی قربانی کرتی ہے کہ ایک یا زیادہ جانیں پیدا کرتی ہے۔ اسی طرح ڈاکٹر کی عزت کیوں کی جاتی ہے۔ اس لئے کہ وہ دوسروں کی جان بچاتا ہے غرض ہر ایک جو قربانی کرتا ہے۔ اس کے متعلق اگر غور کیا جائے تو معلوم ہو جاتا ہے کہ جان لینے والی قربانی معزز نہیں سمجھی جاتی لیکن جان بچانے والی قربانی معزز سمجھی جاتی ہے۔ اس گُر کو مدنظر رکھ کر موجودہ فتنہ کو دیکھو۔ اور سوچو کہ اس وقت تمہارا کیا فرض ہے۔ جب کوئی قوم اپنی حالت کو گرا ہوا سمجھتی ہے۔ مصیبت میں مبتلا ہوتی ہے۔ ابتلاء میں گھری ہوتی ہے تو اس وقت اس کے افراد کے دل میں جوش پیدا ہوتا ہے۔ اور غم و غصہ کی کیفیت پیدا ہو کر انسان کچھ کرنا چاہتا ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ اسے کیا کرنا چاہئے۔

دنیا میں ہزاروں قومیں ایسی گذری ہیں جو کچھ کرنے سے ہلاک ہو گئی ہیں۔ رسول کریم ﷺ کے ذریعہ جب عرب میں تغیر پیدا ہوا اور تبدیلی رونما ہوئی۔ تو اس وقت مکہ کے لوگوں نے سمجھا ہمارے پرانے عقائد میں خلل پڑنے لگا ہے ہمیں کچھ کرنا چاہئے۔ اس پر وہ کچھ کرنے کے لئے کھڑے ہو گئے۔ اور یہی ان کی ہلاکت کا باعث بن گیا۔ اگر اس وقت وہ لوگ کچھ کرنے کے لئے نہ کھڑے ہوتے تو ابو جہل ابو جہل نہ بنتا۔ عتبہ عتبہ نہ بنتا۔ شیبہ شیبہ نہ بنتا۔ پس کسی قوم کو یہی مدنظر نہیں ہونا چاہئے کہ اسے کچھ کرنا چاہئے۔ بلکہ یہ بھی مدنظر ہونا چاہئے کہ کیا کرنا چاہئے اور کیا کر کے دکھانا چاہئے۔ ایسے جوش کے وقت میں اگر کوئی قوم اس لئے کھڑی ہوتی ہے کہ دوسروں کی جان لے تو وہ یقیناً اپنے آپ کو بدنام کر لیتی اور اپنے مدعا میں ناکام رہ جاتی ہے۔ کیونکہ جان لینے والا کبھی معزز نہیں سمجھا جاتا۔ سوائے اس کے جو اس لئے جان لیتا ہے کہ دوسری جانیں بچائے۔ مثلاً ایک سپاہی ہے وہ دشمن کے سپاہیوں کی اس لئے جان لیتا ہے کہ اپنے اہل ملک کی جان بچائے۔ اگر وہ دشمن کو نہ مارے گا تو دشمن اس کے ہم وطنوں کو قتل کر دے گا۔ اسی طرح ایک مجسٹریٹ کسی مجرم کو پھانسی کی سزا دیتا ہے تو وہ بھی قابل عزت ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ اس لئے ایک جان کو مارتا ہے کہ اور لوگوں کی جانیں بچائے۔ ان حالات میں جان لینے والا در اصل جان لینے والا نہیں ہوتا بلکہ دوسری جانوں کو بچانے والا ہوتا ہے۔

جب کوئی قوم خطرات کے وقت کچھ کرنے کے لئے کھڑی ہو۔ اس کے متعلق یہ دیکھنا چاہئے کہ وہ دوسروں کی جانیں لیتی ہے یا ان کی جانیں بچاتی ہے۔ اگر وہ دوسروں کی جانیں لے گی تو قطعاً دنیا

میں رہنے کے قابل نہ ہوگی۔ تمام دنیا مجموعی طاقت سے اس کا مقابلہ کرے گی۔ اور اگر آج نہیں تو کل وہ قوم ضرور مٹ جائے گی۔ لیکن جو قوم اس لئے کھڑی ہوتی ہے کہ دوسروں کے لئے اپنی جان قربان کرے۔ اور دوسروں کی بچائے وہ ہمیشہ زندہ رہتی ہے۔ اور اس کی عزت کی جاتی ہے۔

اس وقت میں اپنی جماعت کو خصوصاً اور دوسرے مسلمانوں کو عموماً یہ نصیحت کرنا چاہتا ہوں کہ وہ دوسروں میں زندگی قائم رکھنے کا ذریعہ بنیں۔ اور یاد رکھیں خدا تعالیٰ نے یہ قانون رکھا ہے کہ جو دوسروں کی جان لینے کے لئے کھڑا ہوتا ہے وہ مٹا دیا جاتا ہے۔ اور دیر تک نہیں رہ سکتا۔ لیکن جو دوسروں کو نفع پہنچاتا ہے۔ اس کے متعلق خدا تعالیٰ فرماتا ہے اَمَّا مَا یَنْفَعُ النَّاسَ فَیَمْکُثُ فِی الْاَرْضِ (الرعد : ۱۸) وہ چیز جو نفع پہنچاتی ہے اسے دنیا میں ہم قائم رکھتے ہیں۔ اور جو نہیں پہنچاتی اسے نہیں رکھتے۔ پس دنیا میں دوسروں کو نفع پہنچانے والی قومیں ہی قائم رکھی جاتی ہیں۔ اس لئے اس جھگڑے و فساد کے زمانہ میں ہمارا فرض ہے کہ ایسے کام کریں جن سے زندگی کی رو پیدا ہو۔ مثلاً لوگ روحانی طور پر مردہ ہیں۔ اس کے لئے مسلمانوں میں یہ کوشش کرنی چاہئے کہ ان میں قرآن کریم کی، رسول کریم ﷺ کی اور خدا تعالیٰ کی محبت پیدا ہو۔ جب ان کے قلوب میں یہ محبت پیدا ہو جائے گی تو ان کے دلوں کو ایسی تقویت حاصل ہو جائے گی کہ کوئی مشکل ان کے سامنے نہ ٹھہر سکے گی اور روحانیت حاصل کرنے کا رستہ بھی کھل جائے گا اور وہ ہدایت سے محروم نہ رہیں گے کیونکہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا (العنکبوت : ۷۰) جو لوگ سچے دل سے مجھے حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں ان کو میں اپنے تک پہنچنے کا صحیح رستہ دکھا دیتا ہوں۔ پس ضرورت یہی ہے کہ خدا تعالیٰ سے سچی محبت رسول کریم ﷺ سے سچی محبت اور قرآن کریم سے سچی محبت پیدا ہو جائے۔ جس کی علامت یہ ہے کہ اسلام کی تعلیم کے مطابق عمل کریں۔ اگر مسلمان کہلانے والے نمازیں نہیں پڑھتے، زکوٰۃ نہیں دیتے، اخلاقِ اعلیٰ نہیں دکھاتے، مخلوقِ خدا سے ہمدردی نہیں کرتے، بنی نوع انسان کی بھلائی اور بہتری کے لئے زندگی بسر نہیں کرتے تو وہ مسلمان کیوں کر کہلا سکتے ہیں۔ ان کے لئے ضروری ہے کہ اپنے نفوس میں بھی خدا تعالیٰ کی، رسول کریم ﷺ اور قرآن کریم کی محبت پیدا کریں۔ اور جو ان سے تعلق رکھتے ہیں ان کے دلوں میں محبت کے نقش جمائیں۔ تب نئی زندگی حاصل ہوگی۔

صحابہ کی زندگی دیکھو کیسی خوبصورت تھی۔ ایک بہت چھوٹی سی جماعت تھی۔ لیکن ان میں سے اگر ایک بھی کہیں چلا جاتا تو لوگ پکار اٹھتے ان لوگوں کی اصلی زندگی ہے۔ اگر مسلمان اب بھی ایسی

زندگی حاصل کرلیں تو کوئی ان کو تباہ نہیں کر سکتا۔ صحابہ نے جب شام کو فتح کیا تو عیسائیوں کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ وہ کئی لاکھ تھے اور مسلمان صرف ۲۰۔ ۲۵ ہزار تھے۔ اس وقت مصلحت یہی سمجھی گئی کہ کچھ علاقہ خالی کر دیا جائے۔ اس وقت عیسائی وفد بن کر مسلمانوں کے پاس آئے اور آکر کہا اگر اخراجات کی وجہ سے آپ لوگ اس علاقہ کو خالی کرنا چاہتے ہیں تو اخراجات ہم برداشت کرنے کے لئے تیار ہیں۔ آپ لوگ یہاں سے نہ جائیں گویا وہ اپنے ہم مذہب حکمرانوں کے خلاف مسلمانوں سے درخواست کرتے تھے کہ ہم پر تم ہی حکمرانی کرو۔ کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ مسلمانوں کے ماتحت رہ کر ہمیں جس قدر آرام و آسائش حاصل ہو سکتی ہے۔ وہ اپنے ہم مذہب حکمرانوں کے ماتحت رہنے میں نہیں مل سکتی۔ اگر اس وقت بھی مسلمان قرآن کریم کے ماتحت اپنی زندگی بسر کریں تو دنیا ان کی زندگی کو نہایت قیمتی زندگی سمجھے گی۔ اور ان کی زندگی کو اپنے لئے باعث نجات قرار دے گی۔ پھر اگر مسلمان اللہ تعالیٰ کے منشاء اور حکم کے ماتحت غیر مسلموں کو اسلام کی دعوت دیں تو یقیناً خدا تعالیٰ ان کی زندگی کی حفاظت کرے گا۔ کیونکہ جو لوگ دنیا کے لئے نجات کا باعث ہوتے ہیں۔ خدا تعالیٰ ان کو تباہ نہیں کیا کرتا۔ جب محدود عقل اور اخلاق کے لوگ نیک انسانوں کا تباہ ہونا گوارا نہیں کرتے۔ تو خدا ایسے لوگوں کی تباہی کیوں پسند کرے گا۔ اگر واقعہ میں مسلمان ادھر اپنے نفس کی اصلاح کرلیں اور ادھر دنیا کی اصلاح کے لئے اٹھ کھڑے ہوں تو یقیناً خدا تعالیٰ انہیں ہر قسم کی تباہی سے بچالے گا۔ پس اس جوش سے جو اس وقت مسلمانوں میں پیدا ہو رہا ہے اس طرح فائدہ اٹھانا چاہئے کہ مسلمان اپنے اندر تقویٰ پیدا کریں اپنی اخلاقی اور روحانی اصلاح کریں۔ لیکن اگر ان کی یہ حالت ہو کہ وہ نمازیں نہ پڑھتے ہوں۔ زکوٰۃ نہ دیتے ہوں۔ روزے نہ رکھتے ہوں۔ بد اخلاقیاں ان میں پائی جائیں۔ مسلمانوں سے سودا لینا وہ پسند نہ کریں۔ بلکہ دوسروں سے لیں۔ آپس میں ہمدردی اور محبت نہ ہو تو پھر اپنے ہی انہیں پسند نہ کریں گے۔ دوسرے کب پسند کریں گے کہ دنیا میں باقی رہیں۔ پس اپنے اندر تبدیلی پیدا کرو۔ اپنے اخلاق و عادات میں تبدیلی پیدا کرو تا اپنوں میں بھی معزز سمجھے جاؤ اور دوسروں میں بھی معزز قرار پاؤ۔ اپنے بھی تم سے پیار کریں۔ اور دوسرے بھی تم سے محبت کریں۔ اس وقت میں خصوصیت سے دوستوں کو یہ نصیحت کرتا ہوں کہ اپنے اخلاق، عادات اپنی زندگی اپنے معاملات اسلام کے مطابق بنائیں۔ پھر دیکھیں دشمن بھی ان پر کس طرح گرویدہ ہوتا ہے۔

دیکھو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ساری عمر مخالفت کی گئی لیکن جب آپ فوت ہوئے تو

وہی لوگ جو زندگی میں مخالف تھے۔ تعریف کرنے کے لئے مجبور ہو گئے۔ ذاتی اغراض کی وجہ سے زندگی میں تو مخالفت کرتے رہے۔ لیکن جب آپ فوت ہوئے تو بے اختیار ان کے مونہوں سے نکل گیا کہ آپ اسلام کے لئے ایک قلعہ تھے جو اسلام کی حفاظت کر رہے تھے۔ اب لوگوں کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے زیادہ ہم سے دشمنی نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ آپ ہی کی وجہ سے ہم سے دشمنی کرتے ہیں۔ اگر حضرت مسیح موعودؑ کے اخلاق' آپ کے کام اور آپ کی قربانی کی وجہ سے آپ کے متعلق ان لوگوں کے دل جن کی زبانیں بد زبانی سے پُر تھیں۔ شکر گزاری اور احسان مندی سے پُر ہو گئے۔ اور آپ کی وفات پر انہیں یہ اعتراف کرنا پڑا کہ اسلام کا ایک بہت بڑا جرنیل فوت ہو گیا تو پھر کیا وجہ ہے اگر ہم بھی ان کے لئے حقیقی قربانی کریں۔ تو وہ ہم سے محبت کرنے نہ لگ جائیں۔ پس اپنے اخلاق میں ایسی تبدیلی پیدا کرو کہ دنیا کے محبوب بن جاؤ۔ اپنے آپ کو اس طرح فنا کردو کہ دنیا تمہارے ذریعہ زندہ ہو جائے۔ اگر تم اپنے لئے اس طرح موت قبول کرلو کہ دنیا زندہ ہو جائے تو دشمنوں کی نظروں میں بھی محبوب ہو جاؤ گے اور اپنوں اور خدا تعالیٰ کی نظر میں تو بہت ہی محبوب بن جاؤ گے۔ لیکن جب تک اپنے اندر خاص اصلاح اور تبدیلی نہ پیدا کرو۔ اور ایسی قربانی اختیار نہ کرو جس سے لوگوں کو زندگی حاصل ہو۔ اس وقت تک نہ اپنوں میں معزز سمجھے جاؤ گے نہ بیگانوں میں۔ پس اے دوستو ان واقعات سے جو ہندوستان میں مسلمانوں کے خلاف ہو رہے ہیں۔ اگر تم میں جوش پیدا ہوتا ہے تو اس سے اپنے معاملات' عادات' اخلاق' اور نفوس کی اصلاح کا کام لو۔ اللہ تعالیٰ اس کے رسول اور اس کے دین کی محبت اپنے دلوں میں پیدا کرو۔ اس کے شعائر سے ایسا عشق دکھاؤ کہ اس عشق کی آگ ان سب اشیاء کو جلا کر راکھ کردے جو خدا تعالیٰ تک پہنچنے میں حائل ہوں۔ اگر تم دنیا کی بہتری اور بھلائی کے لئے اس قدر کوشش کرو گے۔ تو لوگ اتنے اندھے نہیں ہیں کہ تمہاری قربانیاں دیکھ سکیں اور تمہاری قدر نہ کرنے لگ جائیں۔ خدا تعالیٰ تمہیں توفیق دے کہ تم پہلی سستیوں اور کوتاہیوں کو ترک کرکے اپنے اندر ایسی تبدیلی پیدا کرو کہ خدا تعالیٰ جلد اسلام اور احمدیت کو فتح دے۔

(الفضل ۲۷/ مئی ۱۹۲۷ء)

۱؎ کنز العمال جلد ۱۶ صفحہ ۱۶۴ حدیث نمبر ۴۴۰۳۹ ۵۸ مطبوعہ حلب ۱۹۷۷ء